تعمیر حیات

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

★

ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابل تلافی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے جو چیز فوت ہو گئی وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی) (اور صحیح بخاری میں بھی بغیر سند کے ایک ترجمہ باب میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے)

★

★

٤ رمضان المبارک ١٣٩١ ھ
مطابق ٢٥ اکتوبر ١٩٧١ ع

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ۔ قیمت فی پرچہ ٣٥ پیسے

Regd No. L 1981
FORTNIGHTLY
Phone 22948
TAMEER - E - HAYAT
Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

معلم الانشاء
از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی
کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت ١/٧٥
حصہ دوم (" " ") " ٢/٦٢
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ٢/٥٠

الادب العربی
بین عرض و نقد
از مولانا سید محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
ادب کی حقیقت ۔ تنقید و تجزیہ ۔ ادبی نمونے
(قیمت صرف چار روپے)

دہلی اور اسکے اطراف
عصر حاضر کی تاریخ، ثقافت، علم و فن کے تعارف و مطالعہ پر ایک سفرنامہ
قیمت مجلد ... روپیہ

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی
از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی
قیمت ...

جزیرۃ العرب
از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء
قیمت ٥ روپیہ

ملنے کا پتہ
مکتبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

۴ر رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ
پندرہ روزہ
تعمیر حیات
مطابق
۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۱ء
شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد (۸) شمارہ ۲۴

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی بھر کا روزہ یا تیس دن کا!

از محمد الحسنی

ایک روزہ وہ ہے جس کو ہم تیس دن کا روزہ کہتے ہیں، ایک وہ ہے جس کو عمر بھر کا روزہ کہنا چاہئے لیکن سچ پوچھئے تو یہ تیس دن کے روزے عمر بھر کے روزہ کی مشق کے لئے ہیں، یہ روزے پورے سال کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور قبل اس کے کہ ان کا تسلسل ختم ہو دوسرا رمضان آجاتا ہے اور یہ مشق جاری رہتی ہے۔ اگر اس روزے کا دائرہ صرف کھانے پینے کی ممانعت یا اس کے نظام میں تغیر تک محدود ہوتا، تو پھر اس میں کسی اور چیز کی ممانعت نہ ہوتی اور اس میں ایمان و احتساب پر اس درجہ زور نہ دیا جاتا۔ حدیث میں ہے کہ:-

من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ ان یدع طعامہ و شرابہ

اگر کوئی جھوٹ و باطل بات کرنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کرے تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا ترک کردے

غور کیجئے تو نظر آئے گا کہ یہ کھانے پینے کی ممانعت بھی یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جب حلال طیب چیزیں اللہ کے حکم سے مہینہ بھر ممنوع ہو سکتی ہیں تو ناجائز چیزیں کس درجہ ہوں گی۔ ناجائز و حرام افعال و اعمال غیر رمضان میں بھی حرام اور ناجائز ہیں رمضان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی جائز چیزوں کو وقتی طور پر ناجائز قرار دیا گیا ہے تاکہ فرماں برداری اور بے چوں و چرا اطاعت و انقیاد کی عادت پڑ سکے۔ اور جو مسلمان خدا کے حکم سے خدا کی نعمتوں سے دست کش ہو سکتا ہے وہ غیر رمضان میں کم از کم ناجائز چیزوں سے ضرور پرہیز کرے گا۔ نہ کہ یہ کہ خود رمضان میں ان باتوں کا شکار ہو جائے۔

یہ خدا کی عین نعمت اور رحمت ہے کہ یہ گنے چنے دن جن کو قرآن میں ایاماً معدودات کہا گیا ہے پورے سال پر بھاری ہیں اور ان میں اسکی خاصیت اور طاقت ہے کہ اگر (ایمان و احتساب) کے ساتھ گزریں تو پورے سال کو متاثر کر سکتے ہیں، بلکہ پوری زندگی کا رخ بدل سکتے ہیں۔

لیکن یہ بات ہمارے ذہن میں بہر حال ہر وقت تازہ رہنی چاہیئے کہ مسلہ زندگی بھر کے روزے کا ہے اور یہ وہ روزہ ہے جس کا افطار کوئی سورج غروب ہونے پر نہیں اس زندگی کے غروب ہونے پر ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

للصائم فرحتان فرحۃ عند الافطار و فرحۃ عند لقاء الرحمٰن

مومن کے لئے دو مسرتیں ہیں، ایک افطار کے وقت ایک رحمٰن سے ملاقات کے وقت

لیکن یہ دوسری فرحت اسی وقت نصیب ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزرے اور یہ زندگی بھر کا روزہ کسی غلطی سے فاسد نہ ہو جائے یہ روزہ گناہوں کا اور اعضا و جوارح کا ہے، اگر رمضان نہ ہوتا تو شاید ہمارے اندر طاعت کا اتنا عزم و حوصلہ اور محرمات سے احتساب کا اتنا جذبہ اور قوی ارادہ پیدا نہ ہو سکتا، رمضان کی برکت سے ہر سال عزم و ارادہ اور حسن نیت اور ایمان و احتساب کی تجدید ہوتی رہتی ہے اور ہمارے اندر مادی ترغیبات کا مقابلہ کرنے کی قوت بڑھتی ہے۔

اس لئے اپنے اس طویل روزہ کو سلامت رکھنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ یہ چند دن بہت احتیاط و ورع اور صبر و ضبط نفس کے ساتھ گزارے جائیں تاکہ اس کا خاطر خواہ زندگی کے بقیہ ایام پر پڑ سکے۔ اس لئے کہ اس میں چند دن کی کوتاہی پوری عمر پر برا اثر ڈال سکتی ہے۔ اسی طرح اس میں ایک حسن عمل پوری زندگی کو ایک نئے راستے پر ڈال سکتی ہے ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ کا انعام ہے۔

خدائے کریم ہم میں سے ہر شخص اس مہینے کی برکات کا پوری طرح مستفید ہو اور دل پر جبر کر کے ان تمام ناجائز، مکروہ اور لایعنی باتوں سے بچے جن کی ممانعت پوری زندگی کے لئے ہے اور اس مبارک مہینہ میں ان کے خاص طور پر بچنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً غیبت، جھوٹ، لڑائی جھگڑا، بدزبانی، بدکلامی، بدنظری، لہو و لعب اور وقت ضائع۔

اسی طرح چند چیزوں کے اضافہ کی بھی ضرورت ہے مثلاً کثرت تلاوت و عبادت اور صدقہ خیرات:

یہ وہ گنے چنے دن ہیں جن کی اصل قیمت اور اصل حقیقت حیات ابدی میں معلوم ہوگی اور اس وقت انشاء اللہ نظر آئے گا کہ نیکی کے یہ حقیر ذرے اللہ کی میزان اور اس کی نظر عنایت میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

(اللھم اجعلنا منھم!)

قرآن کا پیام

(از: مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی)

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا
بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ
اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ
يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ

وہ تم کو بجز خفیف اذیت کے ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو مدد بھی نہ پہنچ سکے گی ان پر لیس دی گئی ہے ذلت خواہ کہیں بھی وہ پائے جائیں سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ غضب الٰہی کے ہو گئے ہیں اور ان پر پستی لیس دی گئی ہے یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جاتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل جاتے تھے سب یکساں نہیں۔ انھیں اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے اس سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

یعنی اگر وہ اتنی ہمت کر ہی جائیں تم سے مقابلہ و مقاتلہ کو آئیں تو ہرگز غلبہ نہ پا سکیں گے بلکہ الٹی شکست کھا کر بھاگیں گے یہ پیش خبری ایک نہیں، مجموعہ ہے کئی پیش خبریوں کا۔ اور سب کی سب ظاہری قرائن و قیاسات کے خلاف۔ اور آخر یہی پیش خبریاں صحیح نکلیں بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع، یہود خیبر، سب کے باب میں اس جزم کے ساتھ بجز خدائے علیم و خبیر کے اور کون جرأت ایسی پیش خبریوں کی کر سکتا ہے۔

ایک اور پیش خبری۔ یہاں یہ بھی بتا دیا گیا کہ خود مظفر و منصور ہونا الگ رہا، عرب کے جن مشرک قبیلوں کی حمایت کا غرہ ان یہود کو ہے، ان میں سے کوئی ان کی مدد کو بھی نہ آئے گا اور نہ مدینہ کے منافقین ان کے کام آسکیں گے۔

بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی و ذلت پر حاشیے پارۂ اول، رکوع ۷ کے ذیل میں مفصل گزر چکے۔

ضربت علیہم الذلۃ۔ یعنی ان کے جانوں ان کے مالوں، ان کی عزتوں سب کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دل میں پیدا ہو گئی ہے اور تاریخ کی شہادت ہے کہ یہود کی یہ خستہ حالی اور شکستہ بالی نہ صرف زمانۂ نزول تک رہی بلکہ اس کے بعد بھی صدہا سال تک اسی طرح قائم رہی۔

این ما ثقفوا۔ چنانچہ ابھی بیسویں صدی مسیحی کے بھی ثلث اول تک یہود کی جو گت جرمنی میں ہنگری میں، اٹلی میں، زیکوسلاویکا میں اور دوسرے ملکوں میں باوجود ان کی خوش حالی و زرداری کے بن چکی وہ بجائے خود اس آیت کی ایک تفسیر ہے۔

حبل من اللّٰہ سے مراد ان کی ایسی آبادی ہو سکتی ہے جسے خود شریعت الٰہی نے قتل، ہلاکت اور تعزیری انتقامی کارروائیوں سے مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً ان کے بچے ان کی عورتیں، ان کے گوشہ نشین زاہد و درویش وغیرہ۔

حبل من الناس مراد وہ جماعتیں ہو سکتی ہیں جو معاہدوں کے ذریعہ سے امن حاصل کر لیتی ہیں۔

حبل کے معنی بیان ہو چکے ہیں۔ مراد عہد ذمہ سے ہے۔

وحبل۔ وَ یہاں عطف کے لئے نہیں بلکہ او کے معنی میں ہے۔

یعنی حدود عبدیت و طاعت سے یہود کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کی داستان سے عہد عتیق، عہد جدید اور خود یہود کی لکھی ہوئی تاریخیں سب بھری پڑی ہیں وعید کی اس سختی سے بہ ظاہر ایسا متبادر ہوتا ہے کہ جیسے یہ مغضوبیت اسرائیلیوں یا یہود کے حق میں ہمیشہ کے لئے مقدر ہو گئی۔

کانوا یکفرون وکانوا یعتدون۔ دونوں موقعوں پر فعل کے ساتھ کانوا لانے کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی استثنائی یا اتفاقی واقعہ ان کی تاریخ میں نہ تھا بلکہ کفر و عدوان جیسے ان کی قومی خصلت بن گئے تھے۔ ان کی سرشت میں داخل ہو چکے تھے، وہ ان چیزوں کے عادی ہو چکے تھے۔

عصوا۔ نافرمانی ان لوگوں نے اپنے خدا کے رسولوں کی نہیں کی بلکہ آخر میں خود خاتم رسل کی بھی کی۔

بغیر حق یعنی انبیا کو خود اپنے معیار علم و قانون کے بھی خلاف ہی قتل کرتے تھے مسئلۂ قتل انبیاء۔ کفر بآیات اللہ وغیرہ پر مفصل حاشئے پارہ اول رکوع ۷ کے ذیل میں گزر چکے۔

(اپنی حق شناسی اور اسلام سے متعلق اپنے طرز عمل کے لحاظ سے)

اور جو کچھ ذکر ہوا یہ اہل کتاب کی اکثریت کا تھا باقی ان میں سے بعض بعض حق شناس و انصاف دوست بھی تھے اور یہ لوگ بالآخر مشرف بہ اسلام ہو کر رہے۔

یعنی نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

یعنی نماز شب کے فضائل آیت سے ظاہر ہیں۔

امۃ قائمۃ۔ یہ وہ جماعت تھی جو دین حق پر قائم و ثابت رہی۔

آیات اللہ۔ یعنی قرآن کی آیات

مفسرین نے یہاں عبداللہ بن سلامؓ، ثعلبہؓ بن سعید، اسید بن سعید، اسد بن عبیدؓ وغیرہم کے نام درج کئے ہیں جو یہودیت سے نکل کر رسول اسلام پر ایمان لائے تھے۔

قرآن مجید جنھیں صالح قرار دیتا ہے ان کے

(باقی ص۱۳ پر)

حدیثِ رمضان

(معارف الحدیث)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا ——— اس میں آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑے ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل ادا) کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت و آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا، اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے ———

آپ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہ لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہونچ جائے گا ——— (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس مبارک ماہ کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا، اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا ———

(شعب الایمان للبیہقی)

اس خطبۂ نبوی کا مطلب و مدعا واضح ہے تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے ———

(۱) اس خطبہ میں ماہِ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزاروں اور راتوں سے نہیں بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یہ بات جیسا کہ قرآن مجید کی سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورت میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قربِ الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں، جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی، ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سیکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی، اسی طرح حصولِ رضائے خداوندی اور قربِ الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے جو بات صادق طالبوں کو سیکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضور کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینے میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا، اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے ستر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا ——— گویا لیلۃ القدر کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ستر گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے ان کے اندر ان غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو بیچارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: ———

"اس بابرکت مہینے میں اہلِ ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے" ——— اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحبِ ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا خواہ اس عالمِ اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، رب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ: ———

"رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے"

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحابِ صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے

مشرقِ اوسط کی ڈائری

قسط (۱۰)

دینی دعوت کی چند اہم بنیادیں

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ترجمہ: شمس الحق ندوی

خالص دینی دعوت کو مذہبی اختلافات سے آزاد ہونا چاہئے

اس نظریہ پر ہم دونوں متفق تھے کہ ایسی دینی دعوت جس کا مطمح نظر دینی اصلاح ہو اس کو مذہبی اختلافات سے آزاد ہونا چاہئے، ان فقہی مباحث کو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہئے جو مختلف فیہ ہوں۔ شیخ محمد الغزالی نے اپنے اس نظریے کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ شاید آپ نے یہ محسوس کیا ہو کہ میں جب اپنی کتاب میں کسی ایسے مسئلہ کا ذکر کرتا ہوں جس میں توسیع کی گنجائش ہو تو بہت محتاط انداز میں کرتا ہوں، اس بارے میں کہ قوم کی ترقی اختلافی مباحث میں پڑنے سے نہیں ہو سکتی ہم دونوں کا نظریہ ایک ہے، پھر انھوں نے کہا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو ایک کتاب لکھے اور اس کا نام رکھے (قوم کی ترقی قراۃ خلف الامام میں ہے) اس نام سے ہم لوگوں نے لطف لیا۔

پردے کے بارے میں محمد الغزالی معتدل رائے رکھتے ہیں

شیخ محمد الغزالی پردے کے بارے میں اعتدال پسند ہیں، ان کا نظریہ یہ ہے کہ پردہ شرعی ہو تاکہ عورتیں دینی خدمات و ترقی میں حصہ لے سکیں، انھوں نے بتایا کہ اخوانی احباب کے قید و بند کے زمانے میں عورتوں نے کس طرح خدمت کی، گرفتار شدگان کے خاندانوں کو کس طرح سہارا دیا، انھوں نے بتایا کہ صرف عورتیں ہی قیدیوں کو اور ان کے خاندان کے درمیان واسطہ اور رابطہ تھیں، اگر یہ عورتیں نہ ہوتیں تو ان کے خاندان بڑی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے، انھوں نے بتایا کہ ہم نے ان کے لئے پردہ اس حد تک قرار دیا جو ساتر ہو یعنی یہ کہ ایسا لباس جو ڈھیلا ڈھالا ہو، راہب عورتوں کے لباس سے ملتا جلتا ہو۔

دینی جوش اور قربانی کے جذبہ کو کس طرح باقی رکھا جا سکتا ہے

ہم لوگوں نے ایک اہم مسئلہ پر گفتگو کی جو تمام اسلامی جماعتوں اور دینی ترقی کے لئے جدوجہد کرنے والوں سے تعلق رکھتا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ دینی جوش و جذبہ جدوجہد اور قربانی کی روح ہمہ وقت یکساں نہیں رہتی اس میں اتار چڑھاؤ اور سرد مہری سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، جو جماعت کے انجام، اس کی بقا اور وجود پر اثر انداز ہوتی ہے، کیا وسائل اختیار کئے جائیں کہ اس جوش و ولولہ اور انقلابی عمل میں اتار چڑھاؤ کی زیادتی نہ واقع ہو؟ بعض تجربہ کار لوگ اس کا یہ حل بتاتے ہیں کہ جماعت کو ذکر خداوندی کی روحانی غذا ملتی رہنی چاہئے اور ایسے معمولات اختیار کرنا چاہئیں جو جماعت کے اندر دینی جذبات کو بیدار کرتے رہیں اس کو اس طرح جلاتے و بھڑکاتے رہیں کہ بجھنے نہ پائیں۔ بہر کیف جماعت کو اس پہلو پر نظر رکھنی چاہئے کہ یہی اس کی زندگی کا سرچشمہ اور اس کی قوت کا منبع ہے۔ اس گفتگو کے بعد ہم نے ان سے اجازت چاہی اور انھوں نے ہمیں اس امید پر رخصت کیا کہ جلد ہی ہم لوگ پھر ملیں گے۔

ایک سن رسیدہ فلسطینی بزرگ سے ملاقات:-

عصر بعد ہم لوگ اپنے دوست سید یاسین الشریف فلسطینی کے دادا شیخ عارف ابن عبد الرحمن الشریف سے ملنے گئے جو مسجد اقصیٰ کے مدرس اور نگرانِ اعلیٰ تھے، وہ بہت بوڑھے تھے، عمر یہی نوے سال کی تھی ایک پناہ گزین کی طرح اپنے متعلقین و اعزہ کے ساتھ مصر جدید میں رہتے تھے، ہم لوگوں سے بڑی محبت و اکرام سے ملے، برابر مسرت کا اظہار فرماتے، خوش آمدید کہتے اور بار بار فرماتے: مجھے اسلام کی خوشبو ملی، ان کے اس جملے نے کہ مسجد غمگین ہے حسرت برس رہی ہے، جس کو وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دہراتے رہتے تھے ہم لوگوں کے دل پر بڑا اثر ڈالا آنکھیں اشکبار تھیں وہ یہ جملہ کہتے جاتے اور آنسو پونچھتے جاتے تھے، درحقیقت فلسطین کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا، مسجد اقصیٰ، حرم ابراہیم، ان دونوں کے انوار و برکات اور سکینت کا برابر ذکر کرتے رہے یہاں تک کہ ہمارے اندر ان دونوں کو دیکھنے اور ان میں نماز پڑھنے کا بہت اشتیاق پیدا ہو گیا، ہم نے ان سے درخواستِ دعا کی اور جب شیخ نے ضعفِ پیری کے باوجود ہم کو رخصت کرنے آئے۔

اپنی قیامگاہ شارع عماد الدین آتے ہوئے ہم لوگ شارع عماد الدین اور شارع فواد سے ہو کر گزرے، ان کی چمک دمک روشنی اور سجاوٹ کا کیا کہنا، سینما ہاؤس پر بھیڑ لگی ہوئی تھی اندرونی حصہ تماشبینوں سے پر اور باہر لائنوں پر لائن کھڑی اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔ آنے جانے والی موٹروں کا سیلاب امنڈ رہا تھا جو راستے کے ہجوم کو چیرتا ہوا گزر جاتا، دو کانوں پر خوبصورت عربی رسم الخط میں بورڈ لگے ہوتے تو ہم یہی گمان کرتے کہ یورپ کے کسی بڑے شہر میں ہیں۔

۲ر ۵ر ۷۰ھ مطابق ۸ر ۲ر ۵۱ء

ڈاکٹر محمد غمراوی سے باتیں:- دس بجے دن کو

ہم لوگ ڈاکٹر محمد غمراوی کے پاس عباسیہ گئے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں اولاً ان کی کتاب النقد التحلیلی للادب الجاھلی کے ذریعہ ان کی شخصیت سے متعارف ہوا پھر ان کے بہت سے مضامین اور مقدمات پڑھے جو ان کی دینی غیرت کا پتہ دیتے ہیں۔

بعض ادیبوں کے دین سے منحرف ہونے کا سبب:- اپنی

توقع کے مطابق میں نے ان کو پڑھا لکھا صاحبِ ایمان پایا، میں نے ان سے بعض ان ادباء اور صحافیوں کے بارے میں پوچھا جو دین سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اور ان کی بہت سی ایسی کتابیں اور مقالے شائع ہوئے ہیں جن میں اسلام اور اسلامی عقیدہ کو مطعون کرنے کی کوشش کی گئی ہے، انھوں نے بتایا کہ یہ ان کی سابقہ تربیت کی بنا پر ہوا۔ میں نے کہا کہ ان میں سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے ازہر میں پڑھا ہے؟ انھوں نے کہا ٹھیک ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں نے ازہر میں پڑھا مگر میرا خیال ہے کہ وہ زمانۂ تعلیم ہی میں ازہر میں ناپسندیدہ سمجھے جاتے تھے۔ قرآن و حدیث سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی، صرف ادب اور عربی شاعری پر ان کی توجہ مرکوز رہی۔

اس ملک کا ادبی رجحان غیر دینی ہے:- انھوں نے فرمایا ہمارا

ادب ایک عرصہ سے بے دینی کا شکار ہے۔ ابو نواس جیسے شعراء کا کلام زیادہ پڑھا جاتا ہے اور ظاہر ہے ایسے لوگوں کا ادب پڑھنے والوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ دیندار اور اسلام پسند ہوں گے، مزید برآں یہ کہ وہ یونیورسٹی کے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں۔ یورپ کے اکثر سفر کرتے رہتے ہیں۔

میں نے کہا آپ اس سخت ماحول سے کیسے بچ نکلے کہ دامن داغدار نہ ہوا جب کہ آپ کے اسی زمانہ کی پیداوار ہیں اور اسی طرز تربیت میں پلے بڑھے ہیں جس کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میرا قیاس ان لوگوں پر

نہیں کیا جا سکتا۔ میرے گھر کا ماحول دینی اور علمی ماحول تھا میرے بھائی ازہر میں پڑھتے تھے میں بھی انھیں کے ساتھ ازہر جایا کرتا تھا۔ میں نے ازہر اور اس کے اساتذہ کا وہ زمانہ دیکھا جو اس زمانہ سے کہیں بہتر تھا۔ اس زمانہ کا اور میرے گھر کے اچھے ماحول کا مجھ پر اثر ہوا۔ میں نے کہا کہ دین داروں اور دین سے ان کی بغاوت کا اصل سبب شاید مسلمانوں کا زوال ان کی زبوں حالی اور حالات کی خرابی ہے جو شخص ذکی الحس اور رکمزور اعصاب کا ہو وہ اس صورت حال کو سہار نہیں سکتا وہ بے سوچے سمجھے دین کا باغی ہو جائے گا۔ انھوں نے ذرا تیور بدل کر کہا اس کے اندر اندھی تقلید اور منفی پہلو سے بغاوت کا جذبہ کیوں نہیں پیدا ہوتا ان کا مطلب تھا دین کی صحیح دعوت اس بگاڑ کی اصلاح کا جذبہ اور بے دینی سے بغاوت؟ میں نے کہا کہ یہ بات تو توفیق خداوندی سے حاصل ہوتی ہے۔

ادب کو دینی فکر کی طرف کیسے موڑا جا سکتا ہے

میں نے کہا کہ ادب کو دین کی طرف کیسے موڑا جا سکتا ہے۔؟ انھوں نے فرمایا کہ دینی تحریک، اسلامی طرز زندگی سے ادب میں دینی رجحان پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ادباء اور مصنفین کا معاملہ یہ ہے کہ وہ یہی چیز پیش کرتے ہیں جس کی لوگوں سے طلب اور بازار میں مانگ ہوتی ہے۔ جب لوگ دین کی طرف متوجہ ہوں گے ان میں دینی طلب ہوگی تو یہ لامحالہ یہ ادباء مصنفین دینی چیز پیش کریں گے جو ان کے لئے پسندیدہ اور قابل قدر ہوگی میں نے کہا کہ آپ ازہر کے لئے کیا چیز مفید سمجھتے ہیں۔؟

ازہر کے لئے تجویز:- انھوں نے کہا کہ میں نے شیخ ظواہری کے زمانہ میں تجویز رکھی تھی کہ ازہر کے اساتذہ کے لئے ایک ٹریننگ کالج کھولا جائے جو ان تمام فنون کے اساتذہ تیار کرے جو ازہر میں پڑھائے جاتے ہیں، اس طرح ازہر اس قسم کے اساتذہ کی خدمت سے بے نیاز ہو جائے گا جنھوں نے ایسی تعلیم و تربیت پائی ہے جو نہ ازہر سے میل کھاتی ہے نہ اس کی شان کے مطابق ہے۔ ایسے اساتذہ جو خود دین اور دینی حقائق سے پوری طرح مطمئن نہ ہوں شک اور تذبذب کی فضا پیدا کرتے ہیں، دینی حقائق، اسلامی عقائد اور علوم جدیدہ میں کشمکش کا ذہن بناتے ہیں۔ یہ صورت حال طلبہ میں بے اطمینانی اور دین سے بدگمانی پیدا کرتی ہے لیکن جب اساتذہ اس ازہری مدرسے سے فارغ ہوں گے تو وہ طبعی علوم کو آیات قرآنی کی تفسیر کی طرح پڑھائیں گے اور ان علوم کی دین کے ساتھ مطابقت پیدا کر سکیں گے۔

مشرق اسلامی میں علم و سائنس کی کمی ہے لیکن مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میری تجویز "مرضِ خفیۃ" کی نذر ہو گئی اور اس کا نفاذ نہ ہو سکا۔ میری اب بھی یہی رائے ہے۔ انھوں نے کہا کہ مشرق اسلامی میں صرف طبعی علوم کی کمی ہے ہم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کو محض طبعی علوم کی حیثیت سے حاصل کریں، مغربی علوم کی حیثیت سے نہیں ہم مغرب کے اجتماعی علوم و آداب کے محتاج نہیں ہیں علم سائنس پر مغرب کی مہر نہیں لگی ہے۔ کوئی دوسرا اسے نہ حاصل کر سکے۔

طبعی علوم پڑھنے کا طریقہ:- ان علوم کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ہم ان علوم و نظریات اور ان سے جو کچھ ثابت ہے اس میں اور جو ابھی تجربہ و تحقیق کی منزل میں ہے اس میں فرق کریں اور دونوں کو ان کا الگ الگ مقام دیں۔

مصر کی تقلید سے انتباہ:- ڈاکٹر غمراوی نے جو کچھ کہا اس میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ ہندو پاک اور انڈونیشیا سے زیادہ پر امید ہیں۔ میں نے ان سے کہا اس وقت ہندو پاک میں ایسی دینی سرگرمی ہے جو عرب ممالک میں بھی نہیں پائی جاتی، انھوں نے میری یہ بات سن کر فرمایا کہ لیکن ان ملکوں کو مصر کی تقلید کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے کہ مبادا وہ مصر کو ثبوت میں پیش کریں کہ اس میں جامع ازہر جیسا ادارہ ہے اس کے باوجود مصر نے یہ رخ اختیار کیا تو ہمیں اس کو اپنانے میں کیا حرج ہے۔

ازہر کے مستقبل کے بارے میں گفتگو:- ازہر اور اس کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت ازہر کی بڑی مخالفت اور اس کے خلاف بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔

انگریزوں کے اشارے پر ازہر مختلف کالجوں میں تقسیم ہو گیا اور مختلف مدرسوں اور دینی اداروں کی شکل میں اس کو بانٹ دیا گیا اس کا محرک یہ تھا کہ جب انگریزوں نے دیکھا کہ اتنا بڑا جم غفیر ایک ہی جگہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ ایک ہی شہر میں رہتا ہے، تو انھیں خطرہ محسوس ہوا اور ان سے خوف زدہ ہو کر مصری شہروں اور ضلعوں میں ازہر کی شاخیں قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا، جن میں ان اطراف کے طلبہ تعلیم حاصل کریں، اور قاہرہ آکر تعلیم حاصل کرنے کی زحمت و گرانباری سے بچ جائیں، اس تجویز میں طلبہ اور ان کے سرپرستوں کے لئے سہولت تو ہوئی، لیکن ازہر کی طاقت اس سے کمزور ہو گئی۔

میں نے غمراوی صاحب کو اپنی کتاب "ماذا خسر العالم" کا ایک نسخہ ہدیہ کیا، اور ان سے اجازت چاہی۔

قلعہ اور اس کی مسجد کی سیر:- ڈاکٹر غمراوی کے گھر سے نکل کر ہم نے قلعہ کا رخ کیا جو محمد علی باشا کبیر کے عہد میں مرکز حکومت تھا اور وہاں کی عظیم الشان مسجد کو دیکھا مسجد کے طرز تعمیر، زیب و زینت اور اس کی پختگی و مضبوطی ہمیں پسند آئی، اس میں شبہ نہیں کہ مسجد فن تعمیر کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ دار ضیافہ گئے جو خدیو حکومت کا سکریٹریٹ اور سرکاری دفاتر کا مرکز تھا۔ یہاں باہر کھڑے ہو کر ہم لوگ قاہرہ اور اس کی عظیم الشان مسجدوں اور ان کے اونچے اونچے میناروں اور اہرام جیزہ کے دلکش مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے جو دور سے دکھائی دیتے تھے، بڑا دلفریب و انوکھا منظر تھا، گرما کا زمانہ اور چاشت کا وقت تھا ہلکی ہلکی خوشگوار دھوپ شہر کے در و بام کو سنہری کرنوں کا لباس پہنا رہی تھی۔

قلعہ کا کتب خانہ:- ہم قلعہ کے کتب خانہ میں داخل ہوئے وہاں "الوقائع المصریۃ" کی جلدیں دیکھیں جس کا نام تاریخ ادب عربی اور مصر کی سیاسی و ادبی تاریخ میں پڑھا کرتا تھا۔ رسالہ "اللواء" کی جلدیں دیکھیں اس کی نگرانی اور اس میں مضمون نگاری مصطفیٰ کامل مرحوم کیا کرتے تھے "المؤید" کا فائل بھی دیکھا، احمد زکی پاشا کے کتب خانہ میں داخل ہوئے جو قلعہ کے کتب خانہ میں بطور امانت رکھا ہوا ہے۔ اس محقق کی بعض یادگاریں دیکھیں، ہم نے وہ کتب خانہ دیکھا جو کبھی احمد زکی پاشا کے آبادگھر "دارالعروبۃ" کی زینت تھا۔

فوجی میوزیم:- پھر ہم لوگوں نے فوجی میوزیم دیکھا جو فرعونی، عربی، عہد ممالیک سے متعلق تھا۔ غرضیکہ اس کے ہر حصہ کو دیکھا، متعدد نقشوں اور قیمتی معلومات کا مشاہدہ کیا، شیخ احمد عثمان کے بیٹے زکریا کمال ہمارے ساتھ تھے۔ چونکہ وہ ثانویہ کے طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ بارہا اس میوزیم کو دیکھ چکے تھے، اس لئے ہم سب سے زیادہ واقف تھے، بہت سی چیزوں کی وضاحت کرتے اور بتاتے۔ بڑی مفید دلچسپ تفریح رہی۔

مسجدوں اور مقبروں کی سیر:- ہم لوگوں نے عصر کی نماز مسجد سلطان حسن میں پڑھی، پھر مسجد رفاعی دیکھا یہ ملک فواد اور ان کے والد خدیو اسمٰعیل اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کا مقبرہ ہے، بہت سی قبروں کے پاس سے ہمارا گذر ہوا ہم نے کہا اگر تمام لیڈروں، علماء اور صالحین کے مقبرے بنتے تو مردوں کا شہر زندوں کے شہر سے بہت بڑا ہو جاتا، اور زندوں کو گھر بنانے کے لئے بالشت بھر زمین ملنی مشکل ہوتی۔

مقبروں کے بارے میں اسلام اور اسکے رسول کے موقف اور اس کی حکمت

اسلام نے مقبرہ بازی کی ہمت افزائی نہ کر کے بڑا

یادوں کے چراغ

ندویانہ زندگی کے چند روشن اوراق

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، (ریڈر شعبۂ عربی، ونکٹیشور یونیورسٹی آندھرا پردیش)

تعمیر حیات (شمارہ نمبر ۱۰ اگست ۱۹۷۱ء) نگاہوں سے گذرا کہ دل پر بجلی گر پڑی۔ ہر ادارہ اپنا اعتبار اور وقار اساتذہ کی عظمت اور اہمیت کے سہارے قائم کرتا ہے ندوہ کے موجودہ دور میں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی کی شخصیت اس طرح ممتاز تھی جیسے تاروں کے جھرمٹ میں چاند۔ ان کی وفات کا ذکر سن کر طبیعت تڑپ اٹھی۔ ان سے تعلق اور محبت کا ایک ایک گوشہ نگاہوں کے سامنے آگیا اور افق تخیل روشن ہو گیا۔ ندوہ میں تین سال شبلی ہوسٹل کے قیام کے دوران مولانا بلیاوی سے میں بہت قریب رہا۔ ان کے کمرے میں حاضری دیتا اور کلاس میں ان کی محبت شفقت ظرافت اور علمیت سے مستفید ہوتا۔ اگر مولانا کی کسی پر نظر عنایت ہوتی تو اس کا بہت لحاظ فرماتے میرے اوپر مولانا کا شروع سے کرم رہا۔ انھوں نے میری علمی مدد فرمائی۔ جب میں نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ عربی میں لکھا تو مجھے خیال آیا کہ اگر مولانا بلیاوی اس پر ایک نظر ڈال لیں تو میرے لئے یہ امر باعث فخر بھی ہوگا اور باعث اطمینان بھی۔ چنانچہ میں نے اپنا تھیسس (Thesis) مولانا کی خدمت میں بھیج دیا اور انھوں نے بڑی محنت و محبت سے دیکھ کر مجھے واپس کر دیا اور خط لکھا کہ غلطیاں زیادہ ٹائپ کرنے والے کی تھیں۔ آپ خود ہی درست کر سکتے تھے مگر مولانا کو یہ احساس نہ تھا کہ میرا مقصد مقالہ ان کی نظر سے گذار کر اپنے آپ پر اعتبار کرنا تھا۔

مولانا سے تعلق کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ غالباً جولائی ۱۹۵۱ء میں مولانا عبدالغفار ندوی مدظلہ (امیر جماعت اسلامی لکھنؤ) مجھے لیکر ندوہ گئے تاکہ مجھے وہاں داخل کر دیں۔ میرے امتحان کے لئے مولانا عبدالحفیظ بلیاوی اور مولانا ابوالعرفان مدظلہ کا نام مہتمم صاحب نے تجویز فرمایا مولانا عرفان صاحب نے فرمایا کہ آپ مولانا بلیاوی صاحب کے پاس جائیے۔ جو وہ رائے دیں گے وہی میں بھی لکھ دوں گا۔ میں مولانا کو تلاش کرتا ہوا کتب خانہ پہونچا۔ مولانا احباب سے گفتگو میں مشغول تھے جب ان کو پرچہ دیا تو فوراً متوجہ ہو گئے سامنے کی پر بیٹھ گئے "مختارات" کھولکر اس کے بعض اجزاء پڑھائے۔ میں نے صحیح پڑھ دیا پھر سوال کیا "من ابی بکر" کیوں ہے؟ "ابو بکر" کیوں نہیں؟ میں خاموش رہ گیا اور مولانا سمجھ نہ پائے کہ میں اپنی جہالت سے خاموش ہوں۔ چونکہ عبارت بالکل صحیح پڑھی تھی اس لئے انھیں شبہ نہ ہوا کہ اس کی نحو کمزور ہے۔ پھر حدیث کی ایک کتاب منگوائی اور اس میں چند حدیثیں پڑھوائیں آج تک مولانا کے سوالات اور ان کی مسکراہٹ اور ظرافت نگاہوں میں ہے۔ وہ حدیث پڑھوائی جس میں فرمایا گیا ہے "الطہور نصف الایمان" "طہارت آدھا ایمان ہے" فرمایا کہ یہ بتائیے کہ باقی روزہ نماز حج اور زکوٰۃ سب آدھے ہی میں رہ جاتے ہیں؟ میں جب اس کا جواب نہ دے پایا۔ پھر انھوں نے "کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان" والی حدیث پڑھوائی، ترجمہ سنا اور فرمایا کہ جب میزان ان ہی چیزوں سے بھر جائے گا تو پھر باقی چیزیں کہاں جائیں گی؟ میں خاموش رہا چونکہ ترجمہ صحیح کیا تھا اس لئے مولانا کے چہرے پر بشاشت واضح تھی۔ پھر شرح وقایہ منگوائی اور رضاعت کے بارے کچھ مسائل پوچھا کر سنے اور رپورٹ اچھی لکھدی میرا داخلہ عالمیت (کی جماعت) میں ہو گیا۔ بعد میں ان کو اندازہ ہوا کہ میں نے نحو ٹھیک سے نہیں پڑھی ہے تو ہنستے اور فرماتے۔ تم نے عبارتیں صحیح پڑھیں مجھے شبہ نہ ہوا ورنہ میں تم کو پاس نہ کرتا۔ پھر ایک دن چپکے سے مجھے بلایا اور فرمایا کہ شام کو ذرا دیر کے لئے آجایا کرو۔ شام کو کمرہ گیا تو ایک کتاب عنایت فرمائی۔ دیکھا تو وہ شرح مائۃ عامل تھی فرمایا کہ اس کو پڑھو میں نے پڑھا فرمایا اس کی ترکیب کر دیں ترکیب کرنا جانتا نہ تھا اس لئے کہ درس سبق پڑھ کر گیا تھا۔ اس دن سے روز مولانا باقاعدہ مجھے پڑھاتے اور ترکیب کرنا سکھاتے اس طرح پوری کتاب ختم کرا دی پھر جب میں فضیلت میں پہونچا تو مولانا نے المفصل (زمخشری) پڑھائی ان کی محنت اور محبت سے میں اس لائق ہو گیا کہ اس کتاب کو سمجھ سکا۔

پڑھنے میں غلطی کرتا تو فرماتے کہ "کو دوش کر پڑھا ہے کیا"؟ یہ جملہ فرما کر مسکراتے۔ کلاس میں مولانا کی بے تکلفی، محبت اور دوستانہ برتاؤ ان کی عظمت کو نگاہوں میں اور بڑھا دیا تھا ایک بار میں نے ان سے اپنی علمی بے بضاعتی کی شکایت کی فرمایا کہ جب میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر نکلا تو اپنی علمی بے مائیگی کا احساس ہوا اور میں مولانا اعزاز علی مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ حضرت میں نے پڑھا اور سند لی۔ مگر میں کیا بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟ اس پر مولانا اعزاز علی نے فرمایا کہ تم لغت ہاتھ میں اٹھا لو بس۔ مولانا فرماتے تھے کہ پھر میں نے لغت کو لے کر کتابیں حل کرنا شروع کر دیں چند برسوں میں یہ عالم ہو گیا کہ الفاظ پانی ہو گئے۔ فرماتے تھے کہ ایک بار صغیر کی والدہ (مولانا کی اہلیہ) کو میں عربی کی ایک کتاب سنا رہا تھا اور اس طرح اس کا ترجمہ تیزی سے کرتا جاتا تھا کہ جیسے کوئی اردو کی کتاب پڑھ رہا ہو۔

اکثر محبت میں فرماتے "کہ اے نحو طبلہ ڈھپ والا کو دو دیکھو بڑھا ہے"؟ آخر سال میں اکثر پڑھاتے پڑھاتے کتاب روک دیتے اور باتیں شروع کر دیتے۔ فرماتے کہ اب آپ لوگ کہاں ملیں گے۔ تھوڑا سا وقت ہے باتیں بھی کر لی جائیں، یہ بات ہمیں کہنی چاہئے تھی نہ کہ ان کو۔ آہ مولانا کی طرح کا خلوص اور بے تکلفی جو دلوں میں گداز اور علم کی گرمی پیدا کرتا تھا۔ اکثر کمرہ پر جاتا تو مولانا کو لکھتا ہوا پاتا۔ سخت گرمی میں بغیر پنکھے کے مولانا کتابوں پر حملہ آور ہوتے۔ تحریر اتنی صاف پاکیزہ اور دیدہ زیب کہ ان کی شخصیت اور اعمال کا واقعی نمونہ کہلانے کی مستحق تھی اکثر پوری کی پوری کتابیں نقل کر لیتے جس کو دیکھ کر ہم لوگوں کو اپنی بے کلی پر حیرت ہوتی تھی۔

ایک بار کسی بڑے عالم اور مصنف کا ذکر آیا تو فرمانے لگے کہ بھئی مجھ کو یہ ہولیش کہاں میسر کہ اطمینان قلب سے کام کروں اور تصانیف پر سارا وقت صرف ہو سکے۔ ایک دن مسجد میں ایک طالب علم سے فرمانے لگے "وکان الکافر علی ربہ ظہیرا" کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا کہ یہاں علیٰ کے باعث ظہیراً عدوان و سرکشی کو ظاہر کرتا ہے اس پر بہت مسرور ہوئے۔

کبھی مولانا کے ساتھ شہر بھی چلا جاتا۔ ایک

مجھے کرتے کا کپڑا خریدنا تھا مولانا نے اپنی پسند سے بڑا عمدہ کپڑا خرید دیا راستے میں مجھ سے فرمایا کہ ذرا پان لے لینا میں پان لایا اور تمبا کو لانا بھول گیا۔ مولانا نے فرمایا "کیسا ایمان کا پان کیسا؟ پان کا ایمان تمباکو ہے۔"

انسانی زندگی تماشا و تماشا کا عجب منظر پیش کرتی ہے۔ سوسائٹی پر نظر ڈالئے تو آپ کو ہر طرف نفس پرستی خود غرضی، چغلی و فساد، دوسروں کی برائی اور رذیل اخلاق کا دور دورہ نظر آئے گا۔ مولانا کی محفل میں دوسروں کا ذکر بہت کم آتا اور آتا بھی تو ذکر خیر ہی ہوتا۔

مولانا کی ذات سے تعلق اور خصوصیت کے باعث کبھی کبھی ان کو خط لکھتا تو جواب فوراً آتا اور بڑی مسرت و محبت کے ساتھ۔ شادی کا دعوت نامہ بھیجا مگر اس میں پتہ نہ لکھا۔ مولانا سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے بھائی ڈالی گنج اتنا بڑا محلہ ہے میں کس کے دروازہ جا کر پوچھتا کہ آپ کے یہاں احتشام کی شادی تو نہیں ہے؟ میں شرمندہ ہوا اور مولانا مسکرائے پھر فرمایا خیر بچے کے عقیقے میں مجھے گھر بلائیے گا۔ مولانا کو گھر بلانے کا خیال تھا مگر آہ اب کس کو بلاؤں۔؟

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں تھا تو مولانا کو خط لکھا کہ آپ کو ایک کتاب کی تلاش تھی وہ یہاں موجود ہے غریب خانہ حاضر ہے۔ تشریف لائیے۔ اس کے بعد ہی قسمت مجھے جنوبی ہند لے گئی اور مولانا علیگڈھ پہنچے اس پران کا خط ملا کہ علی گڈھ آنے کی دعوت آپ نے اچھی دی کہ خود شہر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

مولانا ہمیشہ لمبا کرتا پہنتے مگر رنگین۔ پائجامہ شرعی ہوتا مگر ٹخنے سے ذرا اونچا۔ دو پلی ٹوپی پہنتے۔ ایک بار فرمایا کہ جب میں جوان تھا تو شیروانی پہنتا تھا اور مخملی ٹوپی استعمال کرتا تھا۔ قدرت نے آواز خوب تیز عطا فرمائی تھی۔ مقامات حریری پڑھاتے تو خوب تیز آواز سے خود ہی پڑھتے اور پھر اس کے اندر علم بدیع کے پوشیدہ صنائع کو بیان فرماتے بعض مقام ایسے ہیں کہ ایک طرف سے نثر ہیں مگر دوسری طرف سے نظم۔ مولانا نظم کو نثر یا نثر کو نظم بنا کر پڑھ کر دکھاتے

دارالعلوم کی عمارت میں مغرب کی طرف پہلی منزل میں ان کا کمرہ تھا اکثر وہ پائے پکاتے۔ کھانا بڑی محنت سے تیار کرتے اور بہت لذیذ۔ کبھی کتاب دیکھتے اور کبھی کھانا۔ مولانا مٹھائی کے بڑے شوقین تھے۔ اس کا ذکر بڑے دل آویز انداز سے کرتے۔

مولانا کی زندگی میں بعض اہم تغیرات بھی آئے دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہوا پھر خانگی حالات کا انھیں شکار ہونا پڑا اور وہ رسالہ دارالعلوم کے نگران اور ذیر نگرانی مصباح العلوم بریلی میں انھوں نے کافی عمر صرف کی فرماتے تھے کہ مجھے کبھی گمان نہ تھا کہ میں ندوہ پہونچ جاؤں گا ان کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ندوہ یا نہ زندگی سے مطمئن تھے۔

مولانا اکثر نماز پڑھاتے اور نہایت سادگی سے ان کی قرأت معمولی تھی۔ سورتیں نہ لمبی پڑھتے نہ بالکل مختصر نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھتے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ کیوں ایسا کرتے ہیں۔ ایک دن دریافت کیا کہ نماز کے بعد آپ سر پر ہاتھ کیوں رکھتے ہیں؟ فرمایا کہ یا قوی ۱۱ بار پڑھتا ہوں اس سے درد سر نہیں ہوتا۔

مولانا اکثر بڑی حسرت سے اس تصنیف کا ذکر فرماتے جو چوری ہو گئی۔ فرماتے کہ اسمیں میں نے خون جگر نکال کر رکھدیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ آدمی کا اس زندگی ناپائیدار میں حاصل زندگی ایک ہی کام ہوتا ہے ایک ہی تصنیف بنیادی ہوتی ہے جس پر اس نے برسوں ریاض کیا ہو اور اگر وہ بھی ضائع ہو جائے تو دل بجھ جاتا ہے نبض حیات رکنے لگتی ہے مولانا کی روح اس صدمے سے زخمی ہو گئی تھی۔

کبھی مولانا بریلی کا ذکر کرتے اور فرماتے کہ خواجہ احمد فاروقی کو میں نے عربی پڑھائی ہے غالباً اس وقت خواجہ صاحب بریلی کالج میں تھے اور انھوں نے مولانا سے عربی کی تعلیم حاصل کی تھی اس لئے کہ اردو بغیر عربی کے پختہ نہیں ہوتی دلی میں خواجہ صاحب سے ایک بار ملا تو میں نے کہا تھا کہ میں آپ کا پیر بھائی تو نہیں لیکن استاد بھائی ضرور ہوں اس لئے کہ میں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی کا شاگرد ہوں۔

مولانا نے جس دور میں تعلیم حاصل کی اسی وقت دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی تھے وہ اکثر مولانا عثمانی کا تذکرہ فرماتے۔

آج کل کا زمانہ حصول شہرت کا ہے معمولی استعداد کے لوگ اثر و نفوذ کے ذریعہ اونچے مقام پر پہونچ جاتے ہیں۔ مولانا کی طرح جیسی قابلیت کا انسان اس کا مستحق تھا کہ اس کی زندگی میں اس کی قدر کی جاتی۔ اس کو حکومت کا عربی کا وظیفہ ملتا مگر خاموش علمی محنت کر کے زندگی کی گھلانے والے کی قدر کہاں ہے۔

ہمارے یہاں یہ بڑی کمی ہے کہ آج سیکڑوں رسالے نکلتے ہیں ان میں ادیبوں اور شاعروں کا ذکر ہوتا ہے مگر علمی محنت کرنے والوں کا نام نہیں ہوتا خصوصاً طبقہ علماء کا جن میں بے لوث علمی تحقیق کرنے والے اور پوری زندگی کو صرف کر کے علم کی شمع کو روشن کرنے والے مغربی تعلیم گاہوں سے زیادہ ہیں۔ آج کل طریقہ نکلا ہے کہ کام کرنیوالے کو نذر عقیدت پیش کرنے کے لئے یادگار کتاب چھاپی جاتی ہے جلسہ کر کے اس کی علمی و ادبی اہمیت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ جو لوگ اسلامیات میں اس عزت کے مستحق ہیں ان کی عزت افزائی اس انداز سے ہونی چاہئے کہ ہر دور میں کچھ خاص انداز ہوتے ہیں۔ اس دور کا یہ طریقہ ہے۔ مولانا اس عزت کے مستحق تھے۔ ان کی کتابیں ان کا کام انشاءاللہ ان کو زندہ رکھے گا۔

مولانا کی سادگی اور خاکساری قابل رشک تھی مشہور ہے کہ علم و فن آدمی کے اندر غرور پیدا کر دیتا ہے مگر ان کی ذات میں شرافت، انسانیت اور اخلاق کے جوہر پوری طرح نمایاں تھے ان کو دیکھ کر یقین ہو جاتا تھا کہ کس طرح علم آدمی کے اندر انسانیت اور اخلاق کی دولت پیدا کرتا ہے۔ ٹالسٹائی کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے ایک نئے پرائیویٹ سکریٹری کو مقرر کیا وہ تقرر کے بعد اس سے ملنے اس کے گاؤں گیا اس لئے کہ ٹالسٹائی گاؤں میں رہتا تھا۔ گاؤں پہونچکر راستے میں سکریٹری نے دیکھا کہ ایک کسان معمولی لباس پہنے درخت کے نیچے بیٹھا ہے اس سے جا کر اس نے پوچھا کہ ٹالسٹائی کہاں ملیں گے؟ اس نے کہا یہاں ذرا بیٹھ جائیے تو میں اس کا پورا پتہ بتا دوں۔ پھر جو ٹالسٹائی نے اس سے مل جل کر گفتگو شروع کی تو سکریٹری اس طرح اس سے بے تکلف ہو گیا جیسے کسی قریبی دوست سے۔ بلا شبہ یہی عالم مولانا بلیاوی کی عظمت و اخلاق کا تھا، ان کی سادگی و مسکراہٹ حسن و اخلاق، ان کے علم کا آئینہ تھا۔ اب ایسے صاحب علم، شرافت اور دینی روح سے سرشار انسان کہاں ملیں گے۔

ایک بار مولانا نے مجھے ایک قصہ سنایا ایک استاد اور شاگرد کا۔ فرمایا کہ ایک استاد ایک شاگرد کو کچھ پڑھاتے تھے جب شاگرد ان سے بازار یا راستہ میں کہیں ملتا تو وہ ان کو سلام کر لیتا کچھ عرصہ بعد اس نے استاد سے پڑھنا چھوڑ دیا اس کے بعد اتفاق سے راستے میں استاد کی شاگرد سے ملاقات ہو گئی اس بار اس نے استاد کو سلام نہ کیا۔ استاد نے خود اس کو سلام کیا اس پر وہ بولا کہ اب تو آپ سے نہیں پڑھتا۔

ایک بار فرمایا کہ ماش کی دال اور گھی کھایا کرو، میں نے کہا کیوں؟ فرمانے لگے کہ تم دبلے نظر آتے ہو اگر ایسا کرو تو جسم کچھ فربہ ہو جائے گا۔

ایک بار ندوہ کے قریب گومتی کے کنارے کھیل کے مقابلے تھے تمام شہر کا ہجوم امنڈ آیا تھا جس کو دیکھو ادھر ہی بھاگا جاتا ہے میں نے عرض کیا۔ مولانا آج تو دیکھئے لوگ کتنے شوق سے کھیل دیکھنے جا رہے ہیں۔ فرمانے لگے ہاں یہ سب عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں ندوہ میں ہر جمعرات کو کلاسز آدھے ہوتے تھے اور باقی آدھے گھنٹوں میں النادی العربی اور مجلس علمی کے جلسے باری باری ہوتے تھے یعنی ہر پندرھویں دن مجلس علمی کی باری آتی تھی۔ مولانا کا دستور تھا کہ وہ مجلس علمی میں خاص طور سے شریک ہوتے اس میں کوئی دوسرا استاد نہیں ہوتا۔ ان کی شرکت سے طلبہ کے لئے ایک سرمایہ عظمت میسر آ جاتا۔

(باقی صفحہ پر)

قطر

ترجمہ و ترتیب۔ محمود الازہار ندوی

قطر خلیج عربی کی دوسری بڑی ریاست ہے جس نے آزادی کا اعلان کیا۔ قطر کی آبادی ایک لاکھ ۷۰ ہزار ہے جس میں سے صرف ستر ہزار دوحہ کی آبادی ہے۔ قطری باشندے ایک جانفشاں قوم اور اپنے آپ کو اسلامی عقائد سے منسلک کئے ہوئے ہیں۔ قطر کا رقبہ ۱۱ ہزار مربع کلومیٹر ہے تین جانب سے خلیج عرب اور صرف جنوب میں سعودی عرب اور ابوظبی ہے۔

قطر کا دار السلطنت دوحہ ایک خوبصورت شہر ہے مسجدیں مدرسے اور جدید طرز کی عمارتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ قطر میں شہر گاؤں اور کھیتوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے ۵۳۰ کلومیٹر لمبی سڑکوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۳۹ء میں پٹرول دریافت ہوا تھا مگر دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے پٹرول نکالنے کا کام مکمل نہ ہو سکا اور جنگ عظیم کے اختتام کے بعد ۱۹۴۷ء میں از سر نو پٹرول نکالنے پر محنت کی گئی اور ۱۹۴۹ء سے پٹرول نکلنا شروع ہو گیا اور صرف پٹرول سے قطر کی یومیہ آمدنی دس لاکھ ڈالر ہے۔

قطر نے ۷۰ سال کی غلامی کی زنجیروں سے اپنے آپ کو نجات شیخ خلیفہ بن حمد آل ثانی نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ قطر کئی برسوں سے آزادی کے لئے کوشاں تھا اور وہ اس کے دستوری حقوق کا بھی طالب تھا اور دن بدن اپنے دائرہ اختیار کو وسیع بھی کرتا جا رہا تھا سرحدی مقاصدوں میں مکمل آزادی حاصل کر لی تھی اور آخر میں برطانیہ کا دائرہ اختیار بہت محدود ہو گیا۔ برٹش قونصل خانوں کا کام صرف ویزا اور پاسپورٹ کے مراحل کا طے کرنا اور شہری ہوا بازی کے امور میں تعاون کی حد تک تھا۔

گذشتہ سال قطر نے اپنا دستور بھی مرتب کر لیا جو ۱۹۷۰ء میں ایک وقتی دستور کے نام سے نافذ کر دیا گیا تھا اور حکومت کی تشکیل شیخ خلیفہ بن حمد آل ثانی کی میں کر دی گئی تھی۔

حکومت قطر برابر آزادی کا مطالبہ کر رہی تھی جس کی بنا پر شیخ احمد بن علی آل ثانی حاکم قطر نے برطانیہ نے سوئٹزرلینڈ میں پہلا معاہدہ کیا برطانیہ کی جانب سے سر جعفراد نے دستخط کئے تھے۔

اور آخر میں قطر کی جد و جہد بار آور ہوئی اور یکم ستمبر کو آزادی کا اعلان کر دیا گیا اور اس طرح سے عرب قوم نے اپنی موروثی آزادی اور جمہوریت کو واپس لے لیا۔

اور زمین پر اپنی حکومت قائم کر لی اس لحاظ سے قطر ۱۶واں عرب ملک ہے جیسا کہ عرب لیگ کی فہرست سے ظاہر ہوتا ہے۔

خلیفہ بن حمد آل ثانی نے ۱۸۶۵ء اور ۱۹۱۶ء کے معاہدہ کو بھی ختم کر دیا جس سے برطانیہ کی خارجہ پالیسی پر نگرانی کا حق اور دفاع کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے شیخ خلیفہ نے آزادی کے اعلان کے ساتھ قطر کے موقف کو خلیج عربی کی ۹ ریاستوں کے وفاق کے متعلق واضح کیا اور کہا۔ قطر اس اتحاد کو پایہ تکمیل تک پہونچانے میں حتی الامکان کوشش کرے گا اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے کہا کہ قطر اس بات کا برابر متمنی اور کوشاں رہا ہے کہ ۹ ریاستوں کا اتحاد قائم ہو اور حکومت قطر پورا بھروسہ کرتی ہے کہ ۹ ریاستیں اتحاد ممبر ملکوں کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

شیخ خلیفہ نے اعلان کیا ان خطوط کی بھی وضاحت کر دی جس پر قطر مستقبل میں عمل کرے گا انھوں نے کہا۔

۱۔ قطر ایک عربی اور اسلامی ملک ہے اور پوری قوم امت عربی کا جزء ہے۔

۲۔ قطر پڑوسی ملکوں سے تعلقات کو اچھے اور مضبوط بنانے کی پوری کوشش کرے گا۔ ــــ تعلقات کو استوار کرنا اور اسلام کی حفاظت اس کا اولین فرض ہوگا۔

۳۔ قطر عرب ملکوں کو بھائی تسلیم کرتا ہے اور برادر عرب ملکوں کے ساتھ تعلقات کو مزید اچھے بنانے کے لئے اور وحدت عربیہ کی تشکیل پر بھرپور کوشش کریگا اور عرب مفاد کیلئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرے گا۔ فلسطین اور مقبوضہ عرب علاقوں کا تخلیہ ان سب میں مقدم ہے فلسطین قوم اپنے گھر واپس جائے گی جیسا کہ بہت سے ملکوں نے ان کی واپسی پر زور دیا ہے۔

۴۔ قطر کی خارجہ پالیسی کی بنیاد دوستی بھائی چارگی ایک ملک دوسرے ملک سے اور ایک قوم دوسری قوم سے محبت، عزت اور امن و سلامتی پر مبنی ہوگی اور باہمی تعاون، فلاح و بہبود اور دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت پر مبنی ہوگی۔

۵۔ قطر عرب لیگ کی پوری تائید کرتا ہے اور اس کے بلند مقاصد کی توثیق کرتا ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ کوشش کر رہی ہے۔

۶۔ قطر اقوام متحدہ کے منشور کو تسلیم کرتا ہے قوموں کے حقوق، عالمی تعاون اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے کاموں کی حمایت کرتا ہے اسلام کی اشاعت اور امن عامہ کی پوری حمایت کرتا ہے اور اختلافات کو پر امن طور سے حل کرنے پر زور دیتا ہے۔

عربی اور عالمی سیاسی ذرائع نے قطر کی آزادی کو خوش آمدید کہا جس کی وجہ سے تمام عرب ممالک اور دوسرے غیر عرب ممالک نے جلد ہی تسلیم کر لیا سب سے پہلے سعودی عرب نے قطر کو آزاد ملک تسلیم کیا اس کے بعد کویت یمن مصر الجزائر اور تمام عرب ممالک نے تسلیم کیا غیر عرب ممالک میں ایران اور برطانیہ سر فہرست ہیں۔ سعودی عرب نے تو ولی عہد مملکت کی سربراہی میں مبارکباد پیش کرنے کے لئے ایک وفد بھی بھیجا۔

نعت

دل ایوبی ٹونکی

غم عشق نبیؐ ہے اور میں ہوں
مرے دل کی لگی ہے اور میں ہوں

جنون عشق احمدؐ کی بدولت
متاع آگہی ہے اور میں ہوں

تصور شام سے ہے دل میں ان کا
سحر تک روشنی ہے اور میں ہوں

ملا ہے جب سے اعزاز غلامی
فروغ بندگی ہے اور میں ہوں

مدینے اڑ کے پہونچوں بھی تو کیونکر
کٹے بال و پری ہے اور میں ہوں

تصور کا تعلق ہے جہاں تک
مدینے کی گلی ہے اور میں ہوں

بہ فیض ساقی کوثر ہر دم
سرور بیخودی ہے اور میں ہوں

یہ دل ہے خوبیٔ قسمت کی ٹوٹا
کہ فیضان نبیؐ ہے اور میں ہوں

ہمارا ادب

داغ دہلوی

حافظ سید حبیب الرحمان حسنی

اقلیم سخن کے بادشاہ دہلی میں ہوئے ہیں۔ دور اول میں تین بادشاہ ہیں۔ بڑے بادشاہ میر تقی میر، پھر سودا پھر میر درد۔ میر درد میں اول تھے، سودا میں مستی بھی اور پر لطف شعر ہوتے تھے مثلاً

مستی سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

اور درد کا تمام دیوان تصوف سے بھرا ہوا ہے ؎

جوں نور تر اتصور تھا پیش نظر جدھر گئے ہم
ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم

پھر ظفر بادشاہ کا زمانہ آیا اقلیم کلام بادشاہوں کا تھا۔ مومن غالب۔ ذوق۔ اور ظفر بادشاہ خود بھی۔ اس کے بعد انحطاط کا زمانہ شروع ہو گیا۔ صرف ایک بادشاہ بچے وہ داغ تھے زبان میں نہ متقدمین میں سے کوئی ایسا ہوا نہ متاخرین میں۔ اپنی تعریف خود کرتے ہیں ؎

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

شاید ہی کوئی شعر محاورہ سے خالی ہوتا ہو۔ اگر محاورہ سے خالی ہو تو زبان کی شوخی ہو گی مگر زبان سے ٹکسالی مثلاً ؎

تم تو کرتے ہو دل لگی دل کی
کیا مٹاؤ گے بیکلی دل کی

بیخودی میں بتا دیا سب کچھ
بات ظالم نے پوچھ لی دل کی

دل کی بات پوچھنا

ضرب المثل

لڑا رکھی ہے جاں ایسی جفا پر
کوئی دیکھے ذرا دم خم ہمارا

جان لڑا رکھنا۔ دم خم محاورہ ہے

پھر اتنا بھی نہیں اے داغ کوئی
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا

پھر اتنا بھی نہیں۔ دم غنیمت ہے، محاورہ

نہ پوچھو کچھ بھی کسی کی زبان سے اور جھگڑ
تمہاری بزم میں کل اہتمام کیسا تھا

پوچھ کچھ۔ اور جھگڑ محاورہ

رہے گا کوئی تو تیغ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

زبان سو۔ اردو محاورہ ہے

وہ کہہ کر اگر چلے بھی مکتب سے حضرت زاہد

بڑے سرکش ہیں ہاتھوں ہاتھ لانا انکو یاروں میں

ہاتھوں ہاتھ لانا محاورہ

پڑیں جو تیری گردن میں وہ توڑیں ہاتھ اے ظالم
کر بوئے غیر آتی ہے مجھے پھولوں کے ہاروں میں

توڑیں ہاتھ محاورہ

مجھ سا نہ دے زمانہ کو پروردگار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بیقرار دل

زبان

ضرب المثل۔

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمہیں منصفی سے کہدو تمہیں اعتبار ہوتا

نہیں آتا تجھے گر اے تمنا
نکلنا سیکھ لے جانِ حزیں سے

„ وہی قاتل وہی منصف وہی مخبر بھی ہے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

حمد کس قدر اچھی اور صاف ہے ؎

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

یعنی جو خدا کا ہو رہا اسے کچھ یاد نہیں رہتا وہ اسی میں مست رہتا ہے۔

دوسرے شعر میں کہتے ہیں ؎

ہم لگے ہوئے زمانہ سے
کام ایسا سکھا دیا تو نے

بس کسی کی فکر نہیں۔ نہ فقر و فاقہ ستاتا ہے نہ دولت کی فکر رہتی ہے۔ ؎

؎ نار نمرود کو کیا گلزار
دوست کو یوں بچا دیا تو نے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ آگ گلزار بن گئی۔

بے طلب جو ملا ملا ہم کو
بے غرض جو دیا دیا تو نے
داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تو نے

ذرا زبان ملاحظہ ہو اور طرز ادا ؎

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

مان بھی رہے ہیں جھوٹی قسم بھی کہہ رہے ہیں ایمان کا جانا بھی بتا رہے ہیں۔

ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

؎ غضب کیا ترے وعدہ پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

غضب کیا محاورہ ہے اور کس خوبی سے لائے ہیں اور قیامت کے انتظار نے قیامت ڈھا دی۔ قیامت کا انتظار محاورہ ہے۔ اور قیامت اصلی کا بھی انتظار ہو سکتا ہے۔ یعنی موت کا انتظار

؎ اچھی صورت پہ غضب ٹوٹ کے آنا دل کا
یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانہ دل کا

ایک تو ٹوٹ کے آنا محاورہ ہے اور غضب نے غضب کیا ہے۔ پھر دوسرے میں زمانہ دل کا محاورہ ہے۔

؎ پڑا فلک کو کسی دل جلے سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اس شعر میں محاورے ہی محاورے ہیں۔ کام پڑنا۔ دل جلے۔ جلا کے خاک کرنا۔ نام نہیں۔ کون اتنے محاورے استعمال کر سکتا ہے۔

ایک آدھ شعر کسی کا کبھی نکل جائے مگر ان کی غزلوں کی غزلیں محاورے سے بھری ہوئی ہیں۔

؎ غیرت ماہ کہے خسرو انجم مجھ کو
نام کو داغ ہوں کیا جانتے ہو تم مجھ کو

اپنے کو غیرت ماہ کہا۔ اور چاند کو خسرو انجم کہا اور نام کو داغ استعمال کرکے محاورہ کر دیا۔

آزادی طبع و رندی۔

واعظ بڑا مزا ہو اگر یوں عذاب ہو
دوزخ میں پاؤں ہاتھ میں جام شراب ہو

زبان ملاحظہ ہو ؎

کون سی کی نہ دوا کون سی مانگی نہ دعا
ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کیلئے

کیا کیا نہ کیا۔ کون سی کی تکرار کتنی اچھی لگتی ہے۔

تیرا غصہ ہو کہ ہو میری طبیعت ظالم
یہ بلا آئی ہے سر پر سے نہ ٹلنے کے لئے

بلا آنا

ایک غزل داغ نے ایسی پڑھی کہ واہ واہ ہوئی اور بہت مشہور ہوئی اور امیر مینائی نے بھی بہت تعریف غزل کے دو شعر ہیں ؎

کسی کی شامت آئے گی کسی کی جان جائے گی
کسی کی تاک میں وہ بام پر بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتہ چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

وہ بھی عجب زمانہ تھا لکھنؤ میں امیر مینائی کی شہرت تھی اور رامپور نے بڑی قدر کی تھی مگر اس غزل کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

امیر اچھی غزل ہے داغ کی جس کا یہ مصرعہ ہے
بھنویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں

امیر مینائی میں سنجیدگی تھی مگر محاورہ استعمال کیا ہے۔ شعر میں ایسا لطف نہیں ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم ان کی نہیں جاتی
نگہ نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

خاک میں ملانا محاورہ ہے۔

مگر زمانہ کا رنگ داغ کو پسند کرتا تھا یا داغ نے زمانہ کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ شوخی دیکھئے۔ ؎

کچھ نرالا ہے جوانی کا بناؤ
شوخیاں زیور ہیں اس سن کیلئے

آج کل میں داغ ہونگے کامیاب
کیوں مرے جاتے ہو دو دن کیلئے

آج کل مرے جانا۔ دو دن محاورے ہیں

دوستی کا ہو زمانہ میں بھروسہ کس پر
تو مجھے چھوڑ چلا او دل شیدا کس پر

حقیقت

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

بہترین شعر ہے

شوخی۔ ہم تم ہوں شب وصل اکیلے تو مزا ہو
ہم سے ہو ادب دو دوپٹا تم سے جدا ہو

امیر مینائی فرماتے ہیں ؎

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

یہ ضرب المثل ہے

داغ ؎ اے چشم یار دیکھ تغافل سے باز آ
دل ٹوٹ جائے گا کسی امیدوار کا

امیر مینائی ؎

ساقی کے ہاتھ سے جو گرا جام کہہ اٹھا
ٹوٹا وہ دل کہیں کسی امیدوار کا

داغ ؎ سب اس کی نظر کو دیکھتے ہیں
تعریف کریں مرے جگر کی

جگر کی تعریف محاورہ کی طرح استعمال کیا ہے یعنی ہمت کی تعریف کرنا۔

امیر مینائی ؎

اے یاس نہ دل میں پاؤں پھیلا
پھانسیں نہ چبھیں مرے جگر کی

داغ کا یہ شعر ان کے رنگ کو خوب ظاہر کرتا ہے۔

فرماتے ہیں ؎

ڈوب کر سینے میں اس رنگ سے پیکاں نکلا
دل سے بیساختہ نکلا کہ وہ ارماں نکلا

لفظ بیساختہ بتلاتا ہے کہ بیساختگی ان کے کلام میں ہوتی ہے اور بیساختگی کا مطلب یہ ہے کہ بناوٹ نہ ہو ان کا کلام بناوٹ سے خالی ہے۔ روزمرہ ہے۔ محاوروں کی فراوانی ہے کلام کی جان زبان اور محاورہ ہے وہ ان کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے مگر لوگ زیادہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ امیر اور داغ کے زمانے میں زبان پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا چنانچہ مرآۃ الغیب سے زیادہ صنمخانۂ عشق کی زبان عمدہ ہے اگرچہ امیر مینائی کے برابر میر ضامن علی جلال امیر اللہ تسلیم وغیرہ موجود تھے اور سب زبان کے دلدادہ تھے مگر زبان میں داغ کو کوئی نہیں پاتا۔ ہاں ہر ایک کے کلام میں زبان کے ساتھ درد موجود ہے مگر داغ کی طرح شوخی نہیں۔ شوخی اور زبان انھیں کا حصہ ہو جب سے اردو زبان کا رواج ہوا ہے داغ کی طرح زبان کوئی نہ باندھ سکا۔ ذوق اور ظفر کی زبان کا کیا کہنا مگر داغ اپنے استاد سے بڑھ گئے ہر شعر میں محاورہ ہے۔ مگر عمر کے لحاظ سے وہ شوخی کم ہوتی گئی اور شعر میں متانت آتی گئی۔ مگر شعر خوبی سے خالی نہیں رہتا مثلاً

؎ کون سا طائر گم گشتہ اسے یاد آیا
دیکھتا بھالتا ہر شاخ کو صیاد آیا

دیکھنا بھالنا محاورہ ہے

؎ بے ستوں سے یہی آواز چلی آتی ہے
جو کیا تو نے وہ آگے ترے فرہاد آیا

دوسرا مصرع ضرب المثل ہے

اب اور شعر ملاحظہ ہوں ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

غیرت کی خدمات۔

سر سے پہلے وہ زباں کاٹ لیا کرتے ہیں
کہ خدا سے نہ کرے کوئی شکایت میری

کس پیرایہ میں اپنی تمنا ظاہر کی زبان کاٹنا محاورہ ہے

فاتحہ گور پہ پڑھنے کو نہ آئے کوئی
سو رہی ہے مری حسرت یہ جگائے کوئی

ضرب المثل

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لئے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

بہت پر لطف شعر ہے وہی کہہ سکتا ہے جو اس کوچہ سے واقف ہے

یہ مصرع ضرب المثل ہے ؏

دے تو دو ہاتھ میں ہاتھ اٹھ کے سنبھلنے کیلئے

ہاتھ میں ہاتھ دینا محاورہ ہے

؏ ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی

پورا مصرع محاورہ ہے یعنی نمبر ۲ دونوں محاورے ہیں۔

یہ شعر خوب ہے ؎

آنکھیں بہت اچھی ہیں تیری
سب کہتے ہیں بیمار یہ کیا

لفظ اچھی دونوں مطلب رکھتا ہے یعنی خوبصورت دوسرا صحتمند ہونا بیمار کہہ کر خوبی پیدا کر دی۔

داغ کی طرح محاورے اشعار میں استعمال کرنے والا ابھی تک تو کوئی ہوا نہیں۔ پھر شوخی بھی ساتھ ساتھ ہے

اشعار معمولی پڑھا لکھا سمجھ سکتا ہے۔ درد امیر مینائی کے یہاں بھی ملتا ہے مگر ان کے اشعار میں بھی کہیں کہیں فارسی آجاتی ہے مثلاً

حرم کو چھوڑ ناقوس کی راہ اگو لینا
سمند عمر سے تیز سوار اتر لینا

حرم، سمند عمر، غنا فارسی ہیں عام آدمی سمجھ نہیں سکتا

داغ کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہے ؎

[illegible]

بقیہ حدیث رمضان

ہیں اور جب کوئی کبھی خطا سرزد ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی معافی و تلافی کر لیتے ہیں۔ تو ان بندوں پر تو سرزد ہونے پائے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے آخری حصے میں روزوں اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں، تو درمیانی حصہ میں ان کی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر ہے اور اپنی بد اعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو آخیر عشرہ میں جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے، اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ ——— اس تشریح کی بنا پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت، درمیانی حصے کی مغفرت اور آخری حصے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب امت مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بقیہ یادوں کے چراغ

ان کی زندگی سراپا عمل، جد و جہد، خاموش کام کا نمونہ، دینی خدمت، علمی محنت، طلب سے خلوص اور زندہ دلی سے معمور تھی۔ یہ چند دل کے داغ ہیں جن کے سہارے ہم نے یادوں کے چراغ جلائے ہیں۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

[illegible]

کوائف دار العلوم

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء مدظلہ کی صحت الحمد للہ پہلے سے بہتر ہے۔ سیتاپور میں آپریشن کے سلسلہ میں دس بارہ یوم قیام کے بعد واپس تشریف لائے اور اب اپنے وطن رائے بریلی میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت موصوف کو صحت و عافیت سے نوازے۔

۱۳ر شعبان المعظم سے دار العلوم میں سالانہ امتحانات کا آغاز ہوا اور ۲۳ر شعبان کو بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئے۔ دار العلوم میں ۲۵ر شعبان سے رمضان المبارک کی تعطیل ہو گئی ہے طلبہ اپنے اپنے وطن روانہ ہو گئے ہیں صرف بیرون ہند کے طلبا یا وہ طلبا کو جنکو مختلف موضوعات پر مقالات مرتب کر کے داخل کرنا ہیں، وہ مقیم ہیں۔ انشاء اللہ ۸ر شوال مطابق ۲۷ر نومبر کو دار العلوم کھلے گا۔

عمومی طور پر گرانی کا قضیہ برابر چل رہا ہے ۱۳۹۰ھ میں مطبخ کو تقریباً نو ہزار روپے کا خسارہ ہوا مسلسل خساروں کی وجہ سے جو سال بہ سال بڑھتے چلے آرہے ہیں یہ کوشش کی گئی کہ دار العلوم میں ایک دسترخوان پر طلبہ کے خورد و نوش کا انتظام ہو جانا تو اچھا تھا۔ بحمد اللہ کہ دار الطعام کا تکملہ ہو گیا ہے اور اس سلسلہ میں آغاز بھی کر دیا گیا دار الطعام کی تکمیل قرض ہی لے کر کی گئی تھی اور ادھر ماہ ستمبر کے سیلاب نے شکست و ریخت کے کچھ مزید مسائل و مصارف پیدا کر دیے ہیں مزید براں گورنمنٹ کے فلڈ کنٹرول بورڈ کی دریا گومتی کے کنارے بندھے کی اسکیم کے جو تعمیرات دار العلوم کی آراضی پر متوقع ہیں انھوں نے طویل مصارف کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی سبیل پیدا فرمائے۔

درج ذیل مقامات کے لئے حضرات اساتذہ کرام اور سفراء روانہ ہو چکے ہیں:۔

کلکتہ:۔ مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی استاد فقہ و دینیات دار العلوم۔

بمبئی:۔ مولوی قمر علی صاحب ندوی منصرم مکتبہ دار العلوم۔

مالیگاؤں و گجرات:۔ مولانا محمد ہاشم صاحب مظاہری سفیر دار العلوم۔

مدراس و بنگلور:۔ مولوی ہارون رشید صاحب مبلغ استاد مدرسہ ثانویہ دار العلوم۔

اورنگ آباد و حیدرآباد } مولوی حافظ نذر الحفیظ صاحب ندوی استاد دار العلوم۔

غزل

(از شاہ مبین احمد منظر ردولوی)

پیمانۂ حیات کو بھرتے رہے ہیں ہم — اپنے لہو سے آپ نکھرتے رہے ہیں ہم

ہمراہ وفا کے جام لئے صورت قمر — کرنوں کی سیڑھیوں سے اترتے رہے ہیں ہم

ہاتھوں میں جام زہر یا پہنے گلے میں طوق — ہر دور کے افق پہ ابھرتے رہے ہیں ہم

بنتا رہا ہے خون جگر غازۂ حیات — قاتل کے آئینوں میں سنورتے رہے ہیں ہم

اکثر طلوع ہو کے پہاڑوں کی اوٹ سے — تاریک وادیوں میں اترتے رہے ہیں ہم

گزرے ہیں قافلے تو چلے ہم بھی ساتھ ساتھ — اپنی ہی منزلوں سے گزرتے رہے ہیں ہم

الزام ہو کسی کا مگر تیرے واسطے — الزام اپنے سر ہی پہ دھرتے رہے ہیں ہم

کچھ تجھ کو بھی خبر ہے کہ اے شاہد حیات — کتنے عذاب جان سے گزرتے رہے ہیں ہم

آتش زبانیوں سے تو منظرؔ ہیں ہم خفا

لیکن ترے خلوص پہ مرتے رہے ہیں ہم

(سول ایجنسیاں)
ایس. ایم ظہیر اینڈ سنس
چمن گنج کانپور
اودھ جنرل اسٹور
امین آباد لکھنؤ

بھوپال، علیگڈھ، دہلی، آگرہ } مولوی عبید المختار صاحب ندوی منصرم رسالہ تعمیر حیات دار العلوم۔

درج ذیل مقامات کے لئے درج ذیل حضرات انشاء اللہ اپنے وقت پر پہونچیں گے۔

ضلع اعظمگڈھ مع جونپور } مولوی حکیم فقیر الدین صاحب ندوی

اضلاع مشرقی بستی و گونڈہ وغیرہ:۔ مولوی واجد علی صاحب۔

توقع ہے کہ ان مقامات کے ہمدرد و مخلصین اپنے اپنے تعاون میں ہماری ان مشکلات اور مسائل کا ضرور لحاظ فرمائیں گے نیز اپنے حلقۂ احباب کو بھی متوجہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔

اچھا کیا، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی قبر کو نور سے بھر دے، انھوں نے اس سے ڈرایا اور بڑی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور یہود و نصاریٰ کے طرز عمل سے اعتراض کیا، ان میں جب کوئی شخص مرتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کر دیتے۔

۵ر۳ر۷۰ء مطابق ۹ر۲ر۷۱ء

شہر فسطاط اور عمرو بن العاص کی مسجد کی سیر

آج سویرے ہم لوگ بعض دوستوں کے ساتھ شہر فسطاط دیکھنے گئے، پہلے ہم لوگ حضرت عمرو بن العاص کی مسجد میں داخل ہوئے سلاطین نے اس میں توسیع کی ہے اور مختلف زمانوں میں کچھ میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس وقت تو وہ اصل مسجد سے بہت زیادہ وسیع ہے یہ بات ضرور ہے کہ اس کا حجازی طرز باقی ہے جو منیٰ کی مسجد خیف اور حرمین شریفین کی یاد تازہ کرتا ہے، سرزمین مصر کی اس مسجد میں داخل ہو کر، جس کی بنیاد توحید اور تقویٰ اور خدائے واحد کی عبادت پر رکھی گئی ہے ہم نے اس میں ایک روحانی لذت محسوس کی، کیوں نہ ہو جب کہ اس کی بنیاد ان مبارک ہاتھوں نے رکھی ہے، جنھوں نے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی اور بے شمار مرتبہ آپ سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا ہے۔

مسجد عمرو میں ہمارا احساس:۔ اس مسجد میں ہم نے ایسی قلبی کشش اور انس محسوس کیا کہ جو مصر کی وسیع سرزمین میں کسی مسجد کے اندر نہ محسوس ہوئی تھا۔ یہ آرائش و زیبائش سے (جس کو اس زمانہ میں آرٹ کہا جاتا ہے) یکسر خالی اور سادی مسجد ہے، لیکن افسوسناک حد تک لاپرواہی کا شکار ہے، اس کے چاروں طرف گندگی، کوڑا اور ملبہ کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ میں نے سنا کہ ملک فاروق ہر سال اس میں جمعۃ الوداع ادا کرتے ہیں۔

لغویات:۔ اس وقت شاید منتظمین، مسجد میں ایسا فرش لگا دیتے ہیں، جو اس کی خستہ حالی اور ذمہ داروں کی لاپرواہی پر پردہ ڈال دیتا ہے، مسجد کے ستونوں میں ہم نے ایک ایسا ستون دیکھا، جس کے چاروں طرف لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی، ہمیں بتایا گیا کہ مزدور زیادہ وزنی ہونے کے سبب سے اس ستون کو اٹھانے میں بہت پریشان ہوئے اس سے انھوں نے یہ قیاس کیا کہ یہ اپنی اندرونی خباثت کی وجہ سے مسجد جانے سے انکار کرتا ہے، اس وقت سے مسلمان اس کو جوتے سے مار کے اس کو سزا دیتے ہیں، ذلیل اور رسوا کرتے ہیں، حکومت نے اس کو بچانے کے لئے اسے لوہے کی جالی سے گھیر دیا ہے، جو غصہ میں بھرے ہوئے مجاہدین کے جوتوں سے اس کی حفاظت کرتی ہے، یہ کر کے حکومت نے اچھا رول ادا کیا۔

اس کے برعکس مسجد کے ایک دوسرے گوشہ میں ایک ایسی جگہ بھی ہے جہاں سیدہ نفیسہ کے بیٹھنے اور لوگوں کو فائدہ پہونچانے کا معمول تھا، ہم نے ایک ایسا ستون بھی دیکھا جس کو لوگ اپنی زبان سے چاٹتے ہیں۔ چاٹتے چاٹتے اس میں گڑھا سا بن گیا ہے، حکومت نے لوہے کی جالی لگا کر اس لغویت کو بھی بند کر دیا۔

مصر قدیم میں:۔ مسجد سے نکل کر ہم اپنے پرانے شہر فسطاط کا قصد کیا، جو مصر کا پہلا اسلامی دار السلطنت تھا۔ راستے میں یکایک ہم نصرانیوں کے مقبروں انکی صلیبوں اور گرجا گھروں کے پاس سے گزرے۔ یہ پہلی اسلامی یادگار اور اسلامی تاریخ کے شایان شان موجود تھی، کاش کہ اس اسلامی شہر کا گرد و پیش بھی اسلامی ہی ہوتا، جو دلوں میں عظمت و شوکت اور سکینت و طمانیت پیدا کرتا، ہم لوگ شہر فسطاط کے حدود میں داخل ہوئے اور دیر تک اس کے کھنڈرات اور ویرانوں میں چلتے رہے لیکن میرے ذہن میں صحابہ کرامؓ کے شہر ان کی فوجی چھاؤنی اور مجاہدین کے خیموں کی تصویر گردش کرتی رہی، اور دل ہی دل میں کہتا رہا کہ شاید یہاں زبیر ابن العوام کا خیمہ تھا، یہاں عبادہ ابن صامت کا خیمہ تھا، محمد بن مسلمہ شاید وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، یہ شاید گورنر عمرو ابن العاص کا مکان ہے کہ جس میں آج قاہرہ کا مزدور اور فقیر بھی رہنا پسند نہ کرے گا لیکن اس معمولی مکان کے مکیں نے حکومت روم کو شکست دی، وہی اس وادی کا بھی فاتح ہے۔ اور شاید مشہور عالم ان کے بیٹے عبد اللہ بن عمروؓ اسی جگہ خدا کی عبادت کرتے تھے اور درس حدیث دیتے تھے۔

حقائق تصورات سے مغلوب نہیں ہوتے:۔ صورت حال یہ تھی، لیکن میں کوشش کر رہا تھا کہ اپنے فکر کو اس مبارک عہد پر مرکوز کر دوں، اور اسی وقت اس فضا سے اس مبارک فضا میں منتقل ہو جاؤں اور یہ بھول جاؤں کہ میں مصر جدید اور چودھویں صدی میں ہوں۔

لیکن حقیقت تصور و خیال سے مغلوب نہیں ہوتی میں اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوا۔ حقائق و واقعات کی موجودہ دنیا ہی میں رہا، اسی کی آوازیں سنائی دیتی رہیں، اسی کے مناظر کا مشاہدہ کرتا رہا، ہم لوگ ان آثار قدیمہ کے پاس پہونچے جو اسی اجڑے ہوئے شہر سے نکالے گئے تھے، ہم یہاں تھوڑی دیر رک کر اس کے کارکنوں سے باتیں کرتے اور ان سے اس شہر کے متعلق مفید معلومات حاصل کرتے رہے، اس سے قبل عہد عباسی اور عہد اموی کے شہروں سے متعلق بھی معلومات حاصل کرتا رہا ہم اسی حال میں تھے ایک موقع آئی اس میں سے بعض ترکی اساتذہ اور آثار قدیمہ کے استاد عبد الوہاب بھی اترے، احمد عثمان صاحب نے ہم سے ان کا تعارف کرایا، انھوں نے خیر مقدم کیا اور خوش آمدید کہا اور عربی آثار کے دیکھنے میں اپنی خدمات پیش کیں ہم نے اس عنایت پر ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے پھر ملنے کا وعدہ کیا۔

مصر قدیم سے ہم لوگ شرکس کو چلے جہاں شیخ سلمان کی مسجد میں جمعہ پڑھا۔ نماز ابد میں نے کچھ دینی باتیں کیں اس میں ہندوستان میں دینی دعوت کے طریقہ کار کی تشریح کی اور اس کے بعض تجربے اور فوائد بیان کئے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ قرآن کا پیام

اوصاف و خصوصیات یہاں کس جامعیت و ایجاز کے ساتھ ارشاد کر دیئے گئے ہیں، پہلی بات یہ بتائی کہ وہ ایمان میں کامل ہوں گے، اور جو کچھ بھی کریں گے مقصد صحیح کے ساتھ اور راہ حق میں کریں گے۔ دوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ لوگ نہ صرف خود ہی ایجابی و مثبتی حیثیت سے اخلاق اور پاکیزہ کرداری کے پیچھے ہوں گے، بلکہ دوسروں کو بھی اسی راہ پر لائیں گے اور لگائیں گے اور نیکیوں کی طرف دلی شوق اور رغبت کے ساتھ بڑھیں گے۔

یسارعون فی الخیرات:۔ یعنی نیکیوں کی طرف اور بد شوقی کے ساتھ گویا بار بار اور تھک کر نہیں بلکہ بڑے شوق و اشتیاق، چاؤ اور رغبت کے ساتھ لپکیں گے۔

من الصلحین کے معنی مع الصلحین کے بھی کئے گئے ہیں۔ (قرطبی)

(اور جو تحیہ پرہیزگار ہیں اس لئے انھیں بھی خوب جانتا ہے۔)

یہ خیال نہ گزرے کہ کوئی متقی اللہ تعالیٰ کے علم میں آجانے سے رہ جائے گا۔ غیر قوموں کے عقائد کی تردید کے لئے اس جزو کا اضافہ ضروری تھا۔

فلن یکفروہ:۔ یعنی کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ جب ماضی خراب رہ چکا ہے تو اب نجات و مغفرت کی امید ہی کیا، اور اب ایمان و حسن عمل سے حاصل کیا؟ غیر مذہب والوں نے ایسے ہی غلط عقائد گڑھ رکھے تھے اس لئے تنبیہ ضروری تھی۔

یکفروہ:۔ میں ضمیر عمل خیر کے اجر و ثواب کی جانب ہے۔ اور کفر سے مراد حرمان یا محرومی ہے۔

نتیجہ امتحان سالانہ ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء ثانویہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

صرف کامیاب طلبہ کے نام دیئے جا رہے ہیں ناموں کی ترتیب بلحاظ پوزیشن ہے

	نام طلباء	ڈویژن
	درجہ ہشتم (دوم عربی)	
۱	دانش اختر	اول
۲	منظور احمد	″
۳	عبدالرشید ثانی	″
۴	نعیم الدین	″
۵	نگہت حسین	″
۶	عبدالمبین	″
۷	محمد ابراہیم	″
۸	سید طٰہٰ عبداللہ	″
۹	نور الہدیٰ	″
۱۰	مسعود الحسن	″
۱۱	عمر عادل	دوم
۱۲	محمد شعیب	″
۱۳	عزیز الرحمٰن	سوم
۱۴	محمد یوسف	″
۱۵	محمد اسلم	″
۱۶	عبدالواحد	″
۱۷	محمد سلیم	″
۱۸	عبدالرشید اول	مترقی
۱۹	اعجز علی	″
	درجہ ہفتم (اول عربی)	
۱	نعیم الدین	اول
۲	ناصر الدین ثانی	″
۳	حسین احمد	″
۴	محمد صدیق	دوم
۵	ناصر الدین اول	″
۶	خالد مصطفیٰ	″
۷	سلمان احمد	″
۸	عبدالاحد	سوم
۹	محمد وصی	مترقی
۱۰	محمد اسحٰق	″
	درجہ ششم (اعدادیہ)	
۱	محمد طارق	اول
۲	محمد وسیم	″
۳	محمد ہاشم	″
۴	سید محمد نعمان	″

	نام طلباء	ڈویژن
۵	حفیظ الرحمٰن	اول
۶	فضل محمود	دوم
۷	محمد اشرف علی	″
۸	محمد خالد	سوم
۹	حبیب اشرف	″
۱۰	عتیق احمد	″
۱۱	انوار احمد	″
۱۲	نور الحسن	″
۱۳	اکرم حسین	″
	درجہ پنجم	
۱	مشیر حسین	اول
۲	محمد نفیس	″
۳	عبدالحکیم ناگا	″
۴	محمد امام الدین	دوم
۵	ابراہیم شامو	″
۶	محمد امان اللہ	″
۷	محمد اسحٰق	″
۸	محمد ریاض	دوم
۹	قاضی عبداللہ	″
۱۰	حسین الرحمٰن	سوم
۱۱	خالد کمال	مترقی
۱۲	عزیز الرحمٰن	″
	درجہ چہارم	
۱	عطاء اللہ	اول
۲	ریاض الحق	″
۳	محمد ابراہیم	″
۴	شفیق عالم	دوم
۵	فیروز عالم	″
۶	عزیز الرحمٰن	″
۷	محمد اقبال	″
۸	عبدالرشید	سوم
۹	بابر حسین	″
۱۰	محمد عثمان دوم	″
۱۱	عتیق الرحمٰن	″
۱۲	محمد عثمان اول	″
۱۳	الیاس احمد	مترقی

	نام طلباء	ڈویژن
۱۴	محمد فارق	مترقی
۱۵	سراج الدین	″
	درجہ سوم	
۱	قمر الاسلام	اول
۲	مسعود الحسن	″
۳	بلال احمد	دوم
۴	محمد عمران	″
۵	عبید الرحمٰن	″
۶	عبدالرشید	سوم
۷	لئیق احمد	″
۸	محمد فہیم	مترقی
۹	عبدالمعز	″
۱۰	نوشاد احمد	″
	درجہ دوم	
۱	ضیاء الدین	اول
۲	لطف الرحمٰن اول	″
۳	منور علی	″
۴	محمد طارق	″
۵	بشریٰ	″
۶	محمد افتخار	″
۷	محمد شیر عالم	″
۸	معراج الحسن	″
۹	سعید اللہ	دوم
۱۰	عبدالمعین	″
۱۱	عبدالعزیز	″
۱۲	مہتاب علی	″
۱۳	محمد مظہر	″
۱۴	لطف الرحمٰن دوم	″

	نام طلباء	ڈویژن
۱۵	شفاعت علی	سوم
۱۶	شبیر احمد	″
۱۷	محی الدین	″
۱۸	ارشاد احمد	″
۱۹	اعجاز احمد	مترقی
	درجہ اول	
۱	محمد احسان	اول
۲	محمد عامر	″
۳	شاہد علی	″
۴	زاہد علی	″
۵	جان عالم	″
۶	شفیق احمد	دوم
۷	عماد عبدالعلی	″
۸	خلیل احمد	سوم
۹	عبدالملک	″
۱۰	محمد صہیب	″
	درجہ اطفال	″
۱	محمد نفیس	اول
۲	سبحان علی	″
۳	سعید الدین	دوم
۴	محمد حفیظ	″
۵	اسلام الدین	″
۶	نسیم فاطمہ	سوم
۷	سلامت خاں	″
۸	لئیق احمد	″
۹	اسماء خاتون	″
۱۰	عطیہ خاتون	″
۱۱	سید محمد عمیر	″
۱۲	معصود علی	مترقی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

از: حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء

دار العلوم ندوۃ العلماء، عالم اسلام کا مشہور دینی و علمی مرکز ہے جو چھتر سال سے علم دین کی خدمت انجام دے رہا ہے اور الحمد للہ اسکے فضلاء ہندوستان اور بیرون ممالک میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ حقیقت نہایت قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر طرح فلاح و بہبود انکے اس دین سے وابستہ ہے جسکو لے کر حضور اکرم سیدنا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں تشریف لائے، مسلمان جسقدر اس حقیقت کی طرف توجہ کریں گے، اور جسقدر دینی کاموں میں دلچسپی اور بلند ہمتی سے حصہ لیں گے اسی قدر اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت و کامیابی کا فیصلہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (اگر تم اللہ کی مدد کروگے وہ تمھاری مدد کریگا اور تمھارے قدم جما دیگا)۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے دینی اور علمی اداروں کا استحکام نہایت ضروری ہے جو اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں میں علم دین کی اشاعت کیلئے کوشش کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کارکنان دار العلوم ندوۃ العلماء بھی اس جد و جہد میں مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ اخلاص و قبولیت سے نوازے۔

اس وقت دار العلوم میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ جنوبی افریقہ، مشرقی افریقہ، ملیشیا، مڈغاسکر، نیپال وغیرہ کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں طلباء کی مجموعی تعداد نو سو پچاس ہے، ان میں غیر ملکی پچاس ہیں۔ اس سال غیر مستطیع طلبہ کو تقریباً نوّے ہزار روپے کے وظائف (اسکالرشپ) دیئے گئے حضرات مدرسین اور اسٹاف کی مجموعی تعداد ساٹھ ہے۔ اسوقت ندوۃ العلماء کے سالانہ اخراجات تقریباً چار لاکھ سے زائد ہیں۔

ملک میں شدید گرانی اور اس سے پیدا شدہ مشکلات کا ہر شخص کو خوب اندازہ ہو چکا ہے اس صورت حال کا سخت اثر دار العلوم پر بھی ہے اور اس کو اپنے ضروری اخراجات پورا کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اجتماعی بڑے کام بغیر عمومی تعاون کے انجام نہیں پاتے ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس اہم کام میں فیاضی و حوصلہ سے توجہ کی ضرورت ہے، خصوصاً رمضان المبارک میں، صحیح روایات کے مطابق اس ماہ مبارک میں ہر عمل کا ثواب ستر گنا ملتا ہے علم دین اور طالبان علم دین پر مسلمانوں کی جو پاک کمائی خرچ ہوگی انشاء اللہ وہ آخرت میں اجر عظیم اور دنیا میں خیر و برکت کا باعث ہوگی۔ میں تمام مسلمانوں خصوصاً اہل استطاعت سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ حسب حیثیت فراخدلی سے دار العلوم کی مدد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

رمضان المبارک اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں بعض حضرات اساتذہ و سفراء دار العلوم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں تشریف لیجاتے رہتے ہیں، مقامی طور پر اگر دردمند اہل خیر حضرات دلچسپی سے تعاون فرمائیں تو انشاء اللہ دار العلوم کی اعانت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالے ہم سب کو اپنے دین کی حمایت و نصرت کی دولت سے سرفراز فرمائیں ——— آمین

نوٹ: جو حضرات براہ راست اپنی رقوم بھیجیں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں۔ رقوم جس مد کی ہوں اس کی صراحت ضروری ہے، چیک، ڈرافٹ پر بھی مندرجہ ذیل پتہ ہوگا۔

ناظم صاحب ندوۃ العلماء، ندوہ لکھنؤ

NAZIM NADWAT ULULAMA
LUCKNOW.

Rged No L 1981

FORTNIGHTLY

Phone 22948

TAMEER - E - HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

مُعلّمُ الانشاء

(از مولانا عبدالماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی)

انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے، موجودہ جمہوری دور اور صحافتی و مجلسی زندگی نے بھی اہمیت کو دہ چند کر دیا ہے، دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے ارتباط و تعلق نے اس کو صرف اجتماعی و ادبی بلکہ دینی اہمیت بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے ایک ایسے سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کرسکے اور عربی مدارس میں تعلیم انشاء کا نصاب بن سکے۔

کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبدالماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵

حصہ دوم (" " ") " ۲/۶۲

حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

اَلْاَدَبُ الْعَرَبِی

بین عرض و نقد

(از مولانا سید محمد رابع ندوی۔ ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔

اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔

ادب کی حقیقت ÷ تنقید و تجزیہ ÷ ادبی نمونے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔

(قیمت صرف چار روپے)

دہلی اور اس کے اطراف

(از مولانا حکیم سید عبدالحی، سابق ناظم ندوۃ العلماء)

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا، اس سفرنامہ سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، عمیق اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق، تعمیر الہی تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور ان کی شاخوں اور قبروں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے خصوصیات جابجا ملیں گے۔ قیمت مجلد ۳ روپیہ

تذکرہ

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

(از مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی)

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و متبحر بزرگ عالم و مرشد بزرگ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو صدق و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت ۶/

جزیرۃ العرب

(از مولانا محمد رابع ندوی، استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء)

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت، تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے، اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جگہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow.

پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر سید محمد الحسنی نے سیمتا پریس امین آباد سے چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا۔